OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

ایسر المذاہب اور اتباع ھویٰ میں حد بندی

The Delineation of Boundaries between Aysar al-Madhāhib and Ittibāʿ al-Hawā

Dr. Usama Hashimi
Assistant Professor, Department of Humanities, COMSATS University Islamabad, Wah Campus.

Received on: 03-01-2026 Accepted on: 05-02-2026

Abstract

This research focuses on the objections regarding the use of leniency in juristic problems (Aysar al-Madhāhib) and presents a methodology for legislation based on this approach of diligence. In the context of the legality of juristic leniency, two broad opinions exist among Muslim jurists: Lenients (who favor the use of Aysar al-Madhāhib) and Non-Lenients (who oppose it). The Lenients argue that no Qurʾānic verse or Ḥadīth explicitly prohibits the adoption of the lenient opinion. In contrast, the Non-Lenients regard it as capriciousness (ittibāʿ al-hawā) as well as a violation of scholarly consensus (ijmāʿ). This research examines both objections in detail and concludes that juristic leniency does not amount to capriciousness if applied in a manner that does not affect the core principles of Dīn, the legality of acts of worship (ʿibādāt), ḥalāl and ḥarām rulings, and the rights of Allāh as well as the rights of people. Similarly, in response to the objection of violating ijmāʿ, the study notes that the consistent presence of Lenients across different eras and regions undermines this claim. The paper further presents a methodology and suggestions for legislation in light of leniency. Methodologically, it emphasizes that such legislation should relate to derivative issues, remain consistent with the core principles of Sharīʿah, avoid prohibited talfīq, and not violate the objectives of Sharīʿah. As recommendations, the research suggests separating changeable and unchangeable injunctions of Sharīʿah, establishing a consultative council, adopting favorable solutions, exercising diligence in line with the objectives of Sharīʿah, and prioritizing the welfare of weaker sections of society.

Keywords: ijtihād, Aysar al-Madhāhib, ittibāʿ al-hawā, ijmāʿ, legislation

اسلام کے ابتدائی عہد میں لوگ کسی معین صحابی، فقیہ یا مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ بوقت ضرورت انہیں جو بھی مجتہد مل جاتا، وہ اسی سے مسئلہ پوچھ لیتے۔ لیکن جب یہی رویہ عباسی دور میں قضاۃ نے اختیار کیا تو نتیجتاً مسائل پیدا ہونے لگے۔ مختلف علاقوں کے قاضی جو مختلف فقہی مسالک کے حامل ہوتے ایک ہی طرح کے مقدمات میں مختلف فیصلے کرنے لگے جس کے نتیجے میں معاشرتی و قانونی انتشار پیدا ہونے لگا۔ ان مسائل کے سد باب کے لیے فقہا نے اپنے اپنے فقہی مذاہب مدون کیے۔ لیکن فقہی مذاہب کی تدوین نے ایک اور مسئلے کو جنم دیا کہ لوگ رفتہ رفتہ تقلید اور مذہب معین پر عمل کے قائل ہوتے چلے گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد تقلید شخصی کا دور دورہ ہوا

اور لوگ اپنے اپنے فقہی مسالک پر ہی اکتفا کرنے لگے جس کے نتیجے میں تقلید شخصی کو لازم قرار دے کر خروج عن المذہب کی مذمت کی جانے لگی۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا مقلد کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ مذہب معین پر عمل کرے یا وہ مختلف مذاہب کی آسان ترین آرا لے کر ان پر عمل کر سکتا ہے؟ اس امر کو ایسر المذاہب کہتے ہیں۔ ایسر المذاہب سے مراد ہے کہ کوئی شخص مذاہبِ مختلفہ سے آسان ترین اقوال جمع کر کے ان پر عمل کرے۔ آسان مذہب پر عمل کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مقلد کسی مسئلے کے تمام اجزا میں ایک ہی امام کی رائے پر عمل کرے اور دوسرا یہ کہ ائمہ کے اقوال کے مابین تلفیق [1] کرے۔ مقلد کا ان میں سے کسی بھی صورت پر عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ تعدد حق، خروج عن المذہب اور تلفیق کو جائز گردانتا ہے۔ ایسر المذہب کے دو پہلو ہیں: اجتماعی اور انفرادی۔ اجتماعی معاملات کا تعلق قانون سازی سے ہے کہ کیسے ایک ایسا آسان قانون وضع کیا جا سکتا ہے کہ جو افراد کی زندگیوں میں آسانی پیدا کر دے۔ فقہا عام طور پر قانون سازی کے ضمن میں ایسر المذاہب پر عمل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ انفرادی معاملات میں بھی کوئی شخص مختلف مذاہب سے آسان ترین آرا لے کر ان پر عمل کر سکتا ہے، البتہ بعض علما اس منہج کو اتباع ھویٰ اور اجماع کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مقالے میں ان اعتراضات کا جائزہ لے کر ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ نیز اگرچہ فقہا نے قانون سازی میں ایسر المذہب پر عمل کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اس تحقیق میں اس قانون سازی کی شرائط اور تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں تاکہ نا صرف اس منہج کو قبول عام حاصل ہو سکے، بلکہ افراد کو ایک ایسا لائحہ عمل دیا جا سکے جس سے جہاں ایک طرف نظم معاشرہ قائم رہے، تو وہی دوسری طرف افراد کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا ہوں۔

ایسر المذاہب کے سلسلے میں فقہا کی آرا:

آسان مذہب پر عمل کے سلسلے میں فقہا کی تین آرا ہیں۔ بعض اسے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور بعض مشروط، جب کہ کچھ علما کے ہاں ایسر المذاہب پر عمل مطلقاً ناجائز ہے:

ا۔ فقہا کا ایک طبقہ ایسر المذہب پر عمل کی م مطلقاً اجازت دیتا ہے۔ ان میں خطیب بغدادی، ابن صباغ، باقلانی، آمدی، ابن ہمام اور عبد العلی وغیرہ شامل ہیں۔[2] اس گروہ کے مطابق کوئی عقلی یا نقلی دلیل انسان کو متشدد رائے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ انسان آسان ترین رائے اختیار کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ ان کی دلیل قرآن وحدیث کے مندرجہ ذیل ارشادات ہیں:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[3]

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا"

نیز:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾[4]

"اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی"

اللہ نے استطاعت اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّه ما استَطَعتم﴾[5]

"سو جہاں تک ہو سکے خدا سے ڈرو اور (اس کے احکام کو) سنو"

اللہ کی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بقدر استطاعت اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے:

(وما امرتکم به فأتوا منه ما استطعتم)[6]

"میں تمہیں جس بات کا حکم دوں اسے جہاں تک تم سے ہو سکے بجالاؤ"

اسی طرح اختیار ہونے کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کا آسان راستہ پسند فرمانا:

(ما خیر رسول الله صلی الله علیه وسلم بین امرین الا اخذ ایسر هما ما لم یکن اثما)[7]

"جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے اسے اختیار فرمایا جو آسان ہوتا بشرطیکہ گناہ نہ ہو"

ایسے دلائل ہیں کہ ایسر المذاہب کو مطلقاً جائز قرار دینے والے مندرجہ بالا دلائل سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایسر المذاہب پر عمل کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ قابل تعریف امر ہے۔ان کی رائے یہ ہے کہ اللہ کا دین آسان ہے اور وہ آسانی پر عمل کرنے کو محبوب رکھتا ہے اور اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ انسان خواہ مخواہ اپنے پر مشکل طاری کرلے۔

۲۔ ایسر المذاہب کے سلسلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ مذہب میں آسانیاں تلاش کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ان میں امام غزالی، ابن عبد البر، سلیمان التیمی، ابن علیہ، اوزاعی، ابن حزم، عزبن عبد السلام اور زرکشی وغیرہ شامل ہیں۔یہ علما مذہب میں آسانیاں تلاش کرنے کو تتبع رخص اور اتباع ھویٰ قرار دیتے ہیں۔ان کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے:

﴿فَإِن تنازَعتم في شَيْءٍ فَرُدُّوه إِلَى اللَّه والرَّسول إن كُنتم تؤمنونَ باللَّه والْيوم الْآخر﴾[8]

"اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو"

چنانچہ قرآن حکیم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگ اپنی تن آسانی کے لیے اختلافی امور میں نفسانی خواہشات کی پیروی کریں بلکہ ان کے لیے یہ لازم ہے کہ اس مسئلے کو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی و منشاء کے مطابق حل کریں۔ابن عبد البر عامی کے لیے رخصتیں تلاش کرنا ناجائز قرار دیتے ہیں اور اسے اجماع کی خلاف ورزی گردانتے ہیں۔اسی طرح حنابلہ کے مطابق اگر ایک شخص کے سامنے ایک مسئلے میں دو ایسے فقہا کی آراء ہوں جو درجے میں برابر ہوں تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ان میں سے اس رائے کو اختیار کرے جو متشدد ہو۔ان کی دلیل حضرت عائشہ کی یہ حدیث ہے:

(ما خیر عمار بین امرین الا اختار ارشدهما)[9]

"عمار کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے مشکل کام کو اختیار کیا"

مالکی فقہا بھی رخصت تلاش کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ان کے ہاں مذاہب میں آسانیاں تلاش کرنا اور ان پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مقلد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختلاف سے محفوظ رہنے کے لیے احتیاط کا پہلو اختیار کرے اور اس رائے پر عمل کرے جو قوی اور مشکل ہو کیونکہ دین تقوی ہی میں ہے اور اتباع ھویٰ سے تقوی قائم نہیں رہتا۔

امام غزالی کے ہاں مقلد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسئلے میں کسی دوسرے مذہب کی آسان تر رائے کو اختیار کرلے۔ عامی کا کسی ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینا محض ظن ہے اور اس صورت میں وہ اتباع ظن کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہا۔[10] اسی طرح سلیمان التیمی آسان رائے کو اختیار کرنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر مقلد فقہا کی آسانیاں جمع کرنے میں لگ جائے گا تو اس کے اندر محض شر ہی جمع ہوگا۔ابن علیہ علما کی شاذ آرا اختیار کرنے والے کو گمراہ اور اوزاعی ایسے شخص کو فاسق گردانتے ہیں۔[11]

۳۔ بعض فقہا آسان مذہب پر عمل کی مشروط اجازت دیتے ہیں۔ان فقہا میں شہاب الدین قرافی، ابن سمعانی اور ابو اسحاق شاطبی وغیرہ شامل ہیں۔ شہاب الدین قرافی آسان رائے پر عمل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کے لیے وہ یہ شرائط عائد کرتے ہیں کہ یہ آسان رائے اجماع کے خلاف نہ ہو اور اس کے نتیجے میں تلفیق کی صورت پیش نہ آئے۔ لیکن یہ ایسی شرائط ہیں کہ جن کی نص اور اجماع میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز ایک آسان رائے کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ بعض علما اسے درست سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں اجماع کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اجماع کے لیے یہ شرط ہے کہ تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہو۔اسی طرح امام شاطبی بھی آسان رائے کو اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اس کے لیے وہ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ یہ اختیار قوی دلیل کی بنیاد پر ہو، نہ کہ خواہش نفس پر۔شاطبی تعدد حق کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت میں ایک ہی قول درست ہوتا ہے[12]۔اس لیے مقلد کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی خواہش سے جو چاہے قول اپنالے۔ بصورت دیگر اس کا یہ فعل تتبع رخص اور اتباع ھویٰ کے سوا کچھ نہیں۔آپ کہتے ہیں کہ اگر دلیل کے بجائے خواہش نفسانی کی بنیاد پر آسانی اختیار کی جائے تو اس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل خرابیاں پیدا ہوں گی:

- اقربا اور دوستوں کے فائدے کے لیے گمراہ کن فتاوی دیے جائیں گے۔
- اس کے نتیجے میں لوگ یہ سمجھنے لگ جائیں گے کہ جہاں بھی فقہا کا اختلاف ہے وہاں اس میں ہر فعل جائز ہے۔
- یہ رویہ پروان چڑھے گا کہ مذاہب کی آسانیاں اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اگرچہ اسلامی شریعت نے بھی رخصتیں فراہم کی ہیں لیکن یہ رخصتیں مقررہ اصولوں کے مطابق ہی قابل عمل ہوتی ہیں۔

الغرض شاطبی کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں علماء کا اختلاف ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس میں سے وہ رائے اختیار کی جائے جو علمی بنیاد پر مستحکم ہو اور اس کی دلیل قوی ہو۔ بصورت دیگر اس کا نتیجہ اتباع ھویٰ کی صورت میں نکلے گا اور دین محض بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔[13]

اس بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو علما ایسر المذاہب کے قائل نہیں ہیں ان کے ہاں اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ مذہب میں آسانیاں تلاش کرنا اتباع ھویٰ ہے اور قرآن حکیم نے اس کی نفی کی ہے۔

۲۔ ایسر المذاہب پر عمل اجماع کی خلاف ورزی ہے۔

چنانچہ ذیل میں ان دونوں اعتراضات کا جائزہ لے کر ان میں اور اتباع ھویٰ میں حد بندی قائم کی گئی ہے:

۱۔ اتباع ھویٰ:

مذہب میں آسانیاں تلاش کرنے پر ایک بنیادی اعتراض اتباع ھویٰ کا ہے۔ ایسر المذاہب کے مخالفین اسے خواہش نفس کی پیروی قرار دیتے ہوئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اتباع ھویٰ کی نفی کی ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾[14]

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے بھی اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے؟"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایسر المذاہب کو کلی طور پر اتباع ھویٰ قرار دینا ایک غلط فہمی ہے۔ اگرچہ بعض آسانیوں کو اتباع ھویٰ کے ضمن میں داخل کیا جا سکتا ہے لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر آسانی اتباع ھویٰ ہی ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر آسانی پسند ہے اور اپنی زندگی کو آسان اور پر آسائش بنانے کے لیے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتا ہے۔ اسی طرح قران حکیم میں بھی رخصت کے کئی احکام ملتے ہیں کہ اگر بندہ کسی وجہ سے کسی حکم پر عمل نہ کر سکے تو اس کے لیے اس میں تخفیف کر دی گئی ہے۔ جیسے کہ سفر و حضر میں روزہ نہ رکھنا، سفر میں قصر نماز، اضطرار کی حالت میں حرام کا حلال ہو جانا وغیرہ۔ اسی طرح سنت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار حاصل ہوتا تو اپ اسے اپناتے جو آسان ہوتی بشر طیکہ گناہ نہ ہو۔ نیز جب حالات مشکل ہوتے تو آپ معاملات میں تخفیف فرما دیتے:

(عن جابر بن عبدالله، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى مكة عام الفتح فصام حتى بلغ كراع الغميم وصام الناس معه فقيل له ان الناس قد شق عليهم الصيام وان الناس ينظرون فيما فعلت، فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ينظرون اليه فافطر بعضهم وصام بعضهم فبلغه ان ناسا صامو فقال "اولئك العصاة)[15]

"حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام الفتح میں روزے کی حالت میں مکہ کی طرف نکلے یہاں تک کہ آپؐ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچ گے اور آپؐ کے ساتھ لوگ بھی روزے سے تھے۔ جب آپؐ کو یہ بتایا گیا کہ لوگوں کے لیے روزہ مشکل ہو گیا ہے اور وہ آپؐ کے منتظر ہیں کہ آپؐ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے عصر کے بعد پانی منگوا کر پیا اور لوگ آپ کو (پیتے ہوئے) دیکھ رہے تھے۔ اس پر بعض نے اپنا روزہ افطار کر لیا اور بعض نے نہیں کیا۔ جب آپؐ کو روزہ نہ افطار کرنے والوں کے بارے میں معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا یہ

نافرمان لوگ ہیں"

چنانچہ مندرجہ بالا امثلہ سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کی خاطر روزہ چھوڑ دیتا ہے یا حرام شئے استعمال کرتا ہے تو کیا یہ اتباع ھویٰ نہیں ہے ؟ اگر ان امور کی قرآن وسنت نے اجازت دی ہے تو اتباع ھویٰ کیا ہے اور ایسر المذاہب اور اتباع ھویٰ میں کیا فرق ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت نے جو رخصتیں دی ہیں وہ ویسے ہی فراہم نہیں کر دیں بلکہ ان رخصتوں کے پیچھے یہ اصول کار فرما ہے کہ :

(المشقةتجلب التیسیر)[16]

"مشقت آسانی لاتی ہے"

فقہا نے اپنے اپنے فقہی مذاہب میں اسی اصول کو استعمال کرتے ہوئے رخصتیں فراہم کی ہیں۔ نیز فقہی مذاہب میں اختلاف کی مختلف وجوہات ہیں جن میں قرآن حکیم سے استدلال کا فرق، سنت سے استدلال میں اختلاف، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب وغیرہ میں سے بعض کو اپنا لینا اور بعض کو چھوڑ دینا شامل ہے۔ اس لیے جو آسانیاں قرآن، سنت اور فقہ میں ذکر کی گئیں ہیں وہ محض خواہشات کی پیروی نہیں بلکہ مقررہ اصولوں کے تحت فراہم کی گئی ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرتا ہے لیکن یہاں اتباع ھویٰ سے مراد ہر انسانی خواہش نہیں بلکہ صرف وہ خواہشات ہیں قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہوں۔ اللہ نے انسان کے اندر خواہشات رکھی ہیں اور ان خواہشات کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں پورا کیا جائے۔ لیکن اہمیت اس امر کی ہے کہ ان نفسانی خواہشات کی پیروی میں ایسا راستہ نہ اختیار کیا جائے جو شارع کی مرضی ومنشاء کے خلاف ہو۔

ایسر المذاہب میں بھی اسی اصول کی اہمیت ہے۔ اگرچہ کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں ہے جو یہ تقاضا کرتی ہو کہ آسانیاں اختیار کرنا جائز نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض اوقات فقہی مذاہب کو اس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے جس سے دین محض بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے۔ خصوصاً تلفیق کے نتیجے میں ایسے امور وجود میں آسکتے ہیں جو حرام کے فروغ کا باعث ہوں۔ جیسے کہ ایک شخص ائمہ اربعہ کے مذاہب میں تلفیق کرتے ہوئے ایسا نکاح کر سکتا ہے جو ولی، مہر اور گواہوں کے بغیر سر انجام پائے۔ یہ ایسا فعل ہے کہ اس کی اسلامی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسر المذاہب پر عمل کرتا ہے تو وہ ایسا راستہ اختیار نہ کرے جس کے نتیجے میں دین کے اصول وقواعد متاثر ہوں، عبادات غیر مؤثر ہو جائیں، حرام وحلال کا فرق ختم ہو جائے اور حقوق اللہ وحقوق العباد پامال ہوں۔ اگر ایسر المذاہب کے نتیجے میں یہ خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں تو ایسی آسانی کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ اجماع کی خلاف ورزی:

مذاہب میں آسانیاں تلاش کرنے پر دوسرا اعتراض اجماع کی مخالفت ہے۔ جیسے کہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ عامی کے لیے مذاہب میں آسانیاں تلاش کرنا اجماعاً ناجائز ہے۔[17] اسی طرح بعض حنابلہ بھی یہی موقف اختیار کرتے ہیں کہ دو آراء میں سے اسے اختیار کیا جائے جو متشدد ہو۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی یہ حدیث ہے کہ :

(ما خير عماء بين امرين الا اختار ارشدهما)[18]

"عمار کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے مشکل کام کو اختیار کیا"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایسر المذاہب پر اجماع کی خلاف ورزی کا اعتراض بھی درست نہیں ہے۔ حضرت عمارؓ سے متعلق بیان کی گئی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار حاصل ہوتا تو آپ اسے اپناتے جو آسان ہوتا (بشر طیکہ گناہ نہ ہو)۔[19] چنانچہ سنت رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی صحابی کے انفرادی عمل کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح بہت سے علما ایسے ہیں کہ جو ایسر المذاہب کو جائز قرار دیتے ہیں جن کی موجودگی میں اجماع کا دعوی درست نہیں ہے۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شہاب الدین قرافی، امام شافعی کے اصحاب، ابن ہمام وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ مذاہب میں رخصتیں تلاش کرنا درست ہے۔ اسی طرح امیر باد شاہ لکھتے ہیں کہ ایسر المذاہب میں اجماع کی مخالفت نہ ہونے کی شرط قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بعد کے دور میں شامل کی گئی ہے۔ آپ آسان مذہب اختیار کرنے کے جواز میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر اس بات کی اجازت ہے کہ کسی مجتہد کی تمام آراء سے اختلاف کیا جائے تو یہ بات تو بطریق اولی جائز ہونی چاہیے کہ اس مجتہد سے بعض آراء میں اختلاف ہو۔[20] الغرض قرافی، ابن ہمام اور امام شافعی کے اصحاب کی موجودگی میں ان علما کا یہ دعوی درست نہیں ہے کہ ایسر المذاہب میں اجماع کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

ایسر المذاہب اور قانون سازی:

قانون سازی میں آسان مذہب اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ حاکم وقت یا قانون ساز ادارہ قانون وضع کرتے وقت آسان آراء کو اپنا لیں۔ قانون سازی میں ایسر المذاہب کو اختیار کرنا ایک شخص کے ذاتی معاملات میں آسان آراء پر عمل کرنے سے مختلف ہے۔ انفرادی طور پر ایک شخص آسان آراء میں اس طرح تلفیق کرسکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نتائج مشکوک ہوں۔ لیکن قانون سازی کرتے ہوئے اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کس طرح آسان ترین راستہ اختیار کرکے عوام کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکتا ہے یعنی قانون بناتے وقت اصل مقصد و مدعا عوام کے حقوق کا تحفظ ہے نہ کہ اتباع ہویٰ۔ فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ اگر حاکم کسی کمزور دلیل کی بنیاد پر قانون سازی کرتا ہے اور وہ شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔[21]

قانون سازی میں مختلف مذاہب کے مابین تلفیق صرف آسانی کی خاطر ہی نہیں کی جاتی بلکہ بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ ایک فقہی مذہب کے اندر رہتے ہوئے بعض مسائل کا حل ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسی صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے مابین تلفیق کرتے ہوئے اس مشکل کو دور کیا جائے۔ اس سلسلے میں عثمانی سلطنت کی قانون سازی بہترین مثال ہے۔ بیسویں صدی میں جب دنیا پر مغربی ممالک قابض ہو گئے اور معاشی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور تمدنی معاملات تیزی سے بدلنے لگے تو عثمانی سلطنت نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اسے مغربی دنیا سے تعلق رکھنے کے لیے اپنے قوانین میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ بنیادی طور پر اس سلطنت میں فقہ حنفی رائج تھی لیکن بہت سے ایسے مسائل سامنے آنے لگے جن میں یہ فقہ ضرورت پوری کرنے میں ناکافی تھی۔ چنانچہ

اس صورت میں سلطنت نے نئی قانون سازی کی بنیاد ڈالی جس میں فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ دیگر فقہی مذاہب سے بھی مدد لی گئی۔[22] اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عثمانی حکومت نے ۱۹۱۴ء میں قانون اصول محاکمات کی دفعہ ۶۴ جو کہ حنفی قانون پر مبنی تھی، تبدیل کر کے حنبلی اور ابن شبرمہ کے مذہب ہر رکھ دی۔ اس کے نتیجے میں معاہدات کی شرائط کی آزادی کا دائرہ کار وسیع ہو گیا۔[23]

۲۔ ایک دوسری مثال مال منقولہ میں بیع الوفا سے متعلق ہے۔ مجلے میں ابولیث سمرقندی کے قول کے مطابق اسے جائز قرار دیا گیا جو کہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے۔[24]

۳۔ گواہی کی قبولیت کے لیے یہ اضافہ ضروری قرار دیا گیا کہ اس کے ساتھ کوئی اور قوی دلیل جیسے کہ مستند کاغذات، ریکارڈ وغیر شامل کیا جائے کہ لوگوں میں کم ہوتے ہوئے تقوی و دین داری کے وجہ سے پیدا ہونے والے شک وشبہ کو دور کیا جا سکے۔[25]

بیسویں صدی کے اواخر میں دنیائے اسلام کے مختلف ممالک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی تحریک نے جنم لیا۔ ان میں پاکستان، ایران، ملائیشیا، برونائی، سوڈان، افغانستان اور مصر وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک نے نہ صرف اپنے ہاں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی بلکہ بعض مسائل میں ایک دوسرے سے بھی استفادہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہی مذاہب کی حدود دھندلانے لگیں اور اجتماعی اجتہاد کا نظریہ سامنے آیا۔ اس اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں رفتہ رفتہ ایک نئی فقہ سامنے آ رہی ہے جسے فقہ عولمی (Cosmopolitan Fiqh) کہا جا سکتا ہے۔ دور جدید کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل اتنے پیچیدہ اور گھمبیر ہیں کہ کسی ایک فقہی نظام میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ انہیں حل کر سکے۔ بعض اوقات تو مذاہب اربعہ میں سے کوئی بھی مسئلے کا حل فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا اور ان چاروں مذاہب سے باہر نکل کر دیکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ دور جدید میں اگر مسلمانوں نے اپنے وجود کو قائم رکھنا ہے اور دنیا میں دیگر اقوام کا مقابلہ کرنا ہے تو انہیں مسائل کے حل کے لیے فقہ عولمی کو تشکیل دینا ہو گا جو نہ صرف ائمہ اربعہ کے مسالک پر مبنی ہو بلکہ اس میں شیعہ اور دیگر متروک مذاہب سے بھی مدد لی جائے۔

قانون سازی میں ایسر المذاہب کو اختیار کرنے کا معاملہ انفرادی معاملے سے مختلف ہے۔ انفرادی صورت میں بعض فقہا نے جو اتباع ھویٰ اور اجماع کی خلاف ورزی کے اعتراضات کیے ہیں، وہ قانون سازی کے سلسلے میں سامنے نہیں آتے اور علما عام طور پر اس امر کے قائل ہیں کہ قانون بناتے ہوئے ایسی آسان آراء کو اختیار کیا جا سکتا ہے جن سے عوام کو سہولت فراہم کی جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ ہو۔ البتہ قانون سازی میں ایسر المذاہب کو کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ یہ لازم ہے کہ اس کی کچھ شرائط مقرر کی جائیں تاکہ حلال و حرام، جائز و ناجائز اور واضح و مشکوک میں فرق کیا جا سکے۔ چنانچہ ذیل میں ان شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے:

۱۔ ایسر المذاہب کا تعلق ظنّی، فروعی اور اجتہادی مسائل سے ہے۔ ایسے معاملات جو نص قطعی، اجماع یا قیاس جلی سے ثابت ہوں ان میں آسان مذہب اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً قیاس جلی کا تقاضا ہے کہ جدید دور کے وہ نشے جو عقل کو خراب کر دیتے ہیں (جیسے ہیروئن، کوکین، حشیش، شیشہ وغیرہ) وہ بھی اسی طرح حرام ہیں جیسے شراب اور انہیں ایسر المذاہب کے تحت جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ عقائد،

عبادات اور معاملات کے وہ وہ پہلو جو قطعیت سے ثابت ہیں جیسے کہ عقائد پر ایمان، ارکانِ اسلام کی فرضیت، حلال و حرام کے معاملات، حدود وتعزیرات وغیرہ میں آسان مذہب کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امور نص قطعی، اجماع اور قیاس جلی سے ثابت ہیں اور ان پر بعینیہ عمل کرنا لازم ہے۔ چنانچہ ایسر المذاہب کا دائرہ کار محدود ہے اس میں محض فروعی وظنّی مسائل شامل ہیں جیسے کہ قرض کی زکوۃ، بچوں کی گواہی، بیع تعاطی وغیرہ۔

۲۔ آسان مذہب کے ذریعے قانون سازی کے نتیجے میں شریعت کے قطعی مصادر اور اصول وکلّیات کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔ قرافی کہتے ہیں کہ نص، اجماع، قیاس جلی اور قواعد کلیہ کی مخالفت، چار صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں قاضی کے فیصلے کو کالعدم سمجھا جائے گا۔ آپ کہتے ہیں کہ ایسے فیصلے اپنی کمزور بنیادوں کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر ان کی بنیاد پر فیصلہ دے بھی دیا جائے تو وہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ ان کی تقلید اور اتباع حرام ہے۔[26]

۳۔ ایسر المذاہب پر عمل کی صورت میں تلفیق ممنوع لازم نہ آئے۔ تلفیق ممنوع سے مراد ایسے امور میں تلفیق ہے جو اپنی ذات یا کسی عارضے کی بنیاد پر باطل ہیں جیسے کہ شراب، سود وغیرہ۔ چنانچہ ایسی تلفیق جس کے نتیجے میں دین کے اصول و قواعد متاثر ہوں، عبادات کی فرضیت ختم ہو جائے یا معاملات میں حقوق اللہ و حقوق العباد کی نفی ہو، ایسے امور ہیں کہ ان میں تلفیق اپنے عوارض کی بنا پر ممنوع ہے۔ چنانچہ ایسے تمام معاملات میں آسان مذہب اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ ایسر المذاہب کے نتیجے میں مقاصد شریعت پامال نہ ہو۔ اسلامی شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد ہیں: تحفظ جان، دین، عقل، مال اور نسل۔ پھر ان مقاصد کو تین مدارج میں تقسیم کیا گیا: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات۔ پھر ان میں سے ہر درجے کے لیے ایجابی اور سلبی احکام بیان کیے گے ہیں۔ چنانچہ ایسر المذاہب پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ:

(الف) شریعت کے عمومی مزاج اور حکمت کو نقصان نہ پہنچے۔

(ب) عوام کے مصالح کا تحفظ کیا جائے۔

(ج) عوام کی مصلحت پر کسی خاص فرد کی مصلحت کو ترجیح نہ دی جائے۔

(د) اہم مصالح کو کمتر مصالح پر ترجیح دی جائے۔

(ہ) مصالح و مفاسد کے تعین کے لیے صرف شریعت کو بنیاد بنایا جائے۔

۵۔ آسان مذہب پر عمل کرنے کا پانچواں ضابطہ یہ ہے کہ اسے اختیار کرنے کی ضرورت و حاجت ہو۔ اتباع ھویٰ اور ناجائز نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ایسر المذاہب پر عمل کرنا درست نہیں۔ اسلامی شریعت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ﴾[27]

"اور اگر حق ان کی خواہشات پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب درہم برہم ہو جائیں"

نیز ارشاد ہے:

﴿فَإن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾[28]

"اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو"

چنانچہ اختلافی معاملات کو اپنی نفسانی خواہشات کے بجائے ان ہدایات کی روشنی میں حل کرنا ضروری ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فراہم کی ہیں۔ اسی وجہ سے مفتی کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی خواہشات کے بجائے راجح دلیل کی بنیاد پر فتوی دے۔ اور ابن قیم اور شاطبی نے رخصتیں تلاش کرنے اور ایسے مفتی سے جو لوگوں کے لیے رخصتیں تلاش کرتا ہے، فتوی دریافت کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن ابن قیم اور شاطبی کی یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایک مفتی شریعت کے اندر رہتے ہوئے اور مقاصد شریعت کا خیال رکھتے ہوئے ایسا فتوی دیتا ہے جس سے افراد کی زندگیوں کے معاملات آسان ہو جائیں تو ایسی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے جو اس مفتی کو متشدد فتوی دینے پر مجبور کرتی ہو۔ چنانچہ آسان مذہب کی بنیاد پر فتوی دینے کے لیے ضروری ہے کہ:

(الف) اس کے نتیجے میں شریعت کے اصول و قواعد کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔

(ب) آسان فتوے کا تعلق کسی مخصوص طبقے یا فرد کے بجائے عوام سے ہو۔

(ج) آسان فتوی وہمی مصلحت پر مبنی نہ ہو بلکہ حقیقی مصلحت کی بنیاد پر ہو۔

۶۔ آسان مذہب پر عمل کرنے کے نتیجے میں وہ قول اختیار کیا جائے جو راجح ہو۔ اس شرط میں مجتہد اور مقلد کے رویے میں فرق ہے۔ مجتہد کے لیے یہ ضروری ہے کہ حتی الامکان راجح دلیل کی پیروی کرے۔ اسی لیے علما نے مجتہد کے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنی دلیل کے مطابق رائے دے اور کمزور دلیل کو اختیار نہ کرے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے اجتہادات میں قوی دلیل کو اختیار کیا کرتے اور کمزور دلیل کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے برعکس مقلد کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے مذہب پر عمل کرے۔ مقلد کسی بھی فقہی مذہب سے کوئی بھی آسان رائے اختیار کر سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رائے اتباع ھوی کا باعث نہ بن جائے۔[29]

تجاویز برائے آسان قانون سازی:

اگرچہ فقہی اختلافات میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ وہ معاشرے میں آسانی اور وسعت پیدا کرتے ہیں لیکن اگر اس وسعت کو انتظامی ڈھانچے میں نہ پرویا جائے تو یہی فقہی اختلافات سماج میں تشتت و افتراق کا باعث بنتے ہے۔ اس لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی میں موجود ان اختلافات کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ اسلامی قانون کے نظم وضبط کو برقرار رکھتے ہوئے وسعت و آسانی پیدا کی جاسکے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل منہج تجویز کیا جاتا ہے جو اس مسئلے کے حل میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے:

۱۔مبدل وغیر احکام کی تعیین:

قرآن حکیم اور سنت نبوی میں مبدل وغیر مبدل احکام پائے جاتے ہیں۔کتاب وسنت کے احکام کے سلسلے میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض احکام کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ آیا یہ مبدل ہیں یا غیر مبدل؟ مثلاً کتاب اللہ نے مختلف قسم کی خواتین کی مختلف عدتیں بیان کی ہیں اور ان سب کا مقصد اختلاط نسب سے بچنا ہے۔اب جب کہ دور جدید میں طبّی سہولیات کی بناپر یہ معلوم کرنا ممکن ہوگیا ہے کہ کیا کوئی خاتون حاملہ ہے یا نہیں، تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن حکیم کا عدت سے متعلق حکم مبدل ہے یا غیر مبدل؟ اوّلیات عمر کی روشنی میں یہ مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے کتاب وسنت کے بعض ایسے احکام وقت وحالات کی تبدیلی پر بدل دیے تھے جو بظاہر غیر مبدل معلوم ہوتے ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احکام جنہیں آج بھی غیر مبدل سمجھا جاتا ہے، وہ شاید مبدل احکام میں شامل ہیں۔چنانچہ جدید اسلامی قانون سازی میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مبدل وغیر مبدل احکام پر از سر نو نظر ڈال کر ان کا مطالعہ کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کتاب وسنت کے وہ کون سے احکام ہیں جنہیں اگرچہ غیر مبدل سمجھا جاتا ہے لیکن ان میں دورِ جدید کی ضروریات کے مطابق تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

۲۔شورائی فقہ:

فقہ حنفی اور دیگر فقہی مذاہب کی تدوین میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے مذہب کی تشکیل کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو شامل کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کو دیگر مسالک کی بنسبت قبول عام حاصل ہوا۔امام ابو حنیفہ کا یہ منہج آج بھی ملکی قانون سازی میں قومی اسمبلیوں کی شکل میں رائج ہے جن کا بنیادی مقصد ملکی ضروریات کے مطابق قانون ترتیب دینا ہے۔جو کام حنفی مذہب کی تشکیل میں شوریٰ نے سرانجام دیا وہی کردار آج یہی اسمبلیاں ادا کر رہی ہے۔جس زمانے میں مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب کی تشکیل ہوئی، اس وقت شاید یہ ممکن تھا کہ فردِ واحد ایک قانون کو تشکیل دے سکے کیونکہ اس زمانے میں (آج کی بہ نسبت) علم کو اتنی وسعت حاصل نہیں ہوئی تھی۔جب کہ آج علم کی بے انتہا وسعت اور اس کی لاتعداد شاخوں کے وجود کے باعث کسی ایک شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے شعبے سے متعلق تمام مسائل اور ان کے حل جانتا ہو اور جدید قانون کا محض ایک باب ہی ترتیب دے سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسرا اہم مسئلہ جدید علوم اور ان کے انسانی زندگی پر اثرات ہیں۔مثلاً کمپیوٹر سائنس میں ترقی کے باعث انسان کی نجی زندگی کا متاثر ہونا، شعور (conscious) کو مشین پر منتقل کرنے کے نتیجے میں جبر وقدر کی حیثیت، مصنوعی اعضا کے نتیجے میں فقہی احکام کی عملی صورت، مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کی پیدائش، ڈی۔این۔اے (DNA) میں تبدیلی کے ذریعے انسانی تخلیق وتشکیل کے مسائل وغیرہ ایسے پہلو ہیں جن پر کام کرنے کے لیے ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو ان جدید علوم پر دسترس رکھتے ہوں۔

چنانچہ جدید فقہی قانون سازی کے لیے یہ امر انتہائی اہمیت رکھتا ہے کہ فقہ حنفی یا قومی اسمبلیوں کی طرز پر مختلف کمیٹیاں بنائی جائیں جس میں نقلی وعقلی دونوں علوم کے ایسے ماہرین کو شامل کیا جائے جو جدید وقدیم علمی ذخیرے پر دسترس رکھتے ہوں۔ یہ ماہرین نہ صرف اسلام کے بنیادی اصول و قواعد سے کماحقہ واقف ہوں بلکہ جدید دور کے مسائل سے بھی آگاہ ہوں اور ان مسائل کو اسلام کے بنیادی مأخذ اور جدید سائنسی علوم کی روشنی میں حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

۳۔ متفقہ مسائل کو ترجیح دینا:

فقہ اسلامی میں متعدد مسائل ایسے ہیں کہ جن میں فقہا کا باہم اتفاق ہے۔ اختلافی مسائل میں بھی اکثر ایسے ہیں کہ ان میں جائز وناجائز کے بجائے اولیٰ وغیر اولیٰ کا فرق ہے۔ ایسے مسائل جن میں علما کے مابین حلال و حرام کا فرق ہے وہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ لیکن اس تمام صورت حال کے باوجود آج کل زیادہ اہمیت ان غیر اہم مسائل کو دی جاتی ہے جن میں فقہا کا اختلاف ہے جیسے کہ رفع یدین، آمین بالجہر، تکبیرات عیدین وغیرہ۔ چنانچہ جدید فقہی قانون سازی کا تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ:

(الف) سب سے پہلے ان مسائل کو اہمیت دی جائے جن پر فقہی مذاہب کا اتفاق ہے۔ اس سے اس منہج پر اجماع کی خلاف ورزی کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا۔

(ب) اختلافی مسائل میں اس رائے کو اہمیت دی جائے جو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

(ج) اگر کسی مسئلے میں کوئی ایک مذہب ضرورت پوری کرنے کے لیے ناکافی ہو تو ایسی صورت میں تلفیق سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴۔ مذاہب اربعہ اور مقاصد شریعت کا امتزاج:

فقہی مذاہب کے دور تدوین (دوسری صدی تا چوتھی صدی ہجری) میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کئی ایک مذاہب وجود میں آئے۔ ان میں ابن ابی لیلی، اوزاعی، سفیان ثوری، داؤد ظاہری، ابن جریر طبری وغیرہ کے مذاہب شامل ہیں۔ البتہ امتداد زمانہ کے ساتھ مذاہب اربعہ کے علاوہ باقی مذاہب یا تو اپنا وجود کھو بیٹھے اور یا پھر انہیں چاروں میں ضم ہوگئے۔ چونکہ مذاہب اربعہ کے مسائل ودلائل معلوم ہیں نیز دنیا میں یہی چار مذاہب رائج ہیں اس لیے یہ مناسب ہوگا کہ جدید قانون سازی میں ابتداً انہیں چاروں کو بنیاد بنایا جائے۔ لیکن اگر کسی جگہ یہ مذاہب مقصد پورا کرنے میں ناکام رہیں تو ایسی صورت میں شیعہ ودیگر مذاہب سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ قانون سازی مقاصد شریعت کی روشنی میں کی جائے۔ مقاصد شریعت ہی اس بات کا فیصلہ کرے کہ کس مسئلے میں کون سے مذہب کی رائے کو اختیار کیا جائے یا کن آراء کے مابین تلفیق سے کام لیا جائے۔

۵۔ اختلافی مسائل کے حل میں کمزور طبقہ کی رعایت:

جدید قانون سازی میں ایک اہم نکتہ یہ ہے جب کسی مسئلے میں اختلافی آراء موجود ہوں تو اس رائے کو اختیار کیا جائے جو بالخصوص کمزور طبقے

کے حقوق کے تحفظ کی ضامن ہو۔اس کی مثال حضرت عمرؓ کا وہ اجتہاد ہے جس میں آپؓ نے طلاق مغلظہ کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس زمانے میں یہ فیصلہ ان مردوں کو سزا دینے کی نیت سے کیا جو طلاق میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے۔ دراصل عرب معاشرے کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہاں طلاق کے نتیجے میں مرد زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جب کہ برصغیر کی حالت اس سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں جب بھی طلاق مغلظہ کو نافذ کیا جائے تو اس حکم سے خاتون زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر عرب معاشرے میں طلاق کے سلسلے میں مرد کمزور ہے تو برصغیر میں عورت۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف فیہ مسائل کے حل میں کمزور طبقے کے حقوق کے تحفظ کا خاص خیال رکھا جائے۔

۶۔ بعض مسائل میں تلفیق:

جدید فقہی قانون سازی میں متعدد مرتبہ ایسی صورت سامنے آئے گی کہ کسی مسئلے کا حل کسی ایک فقہی مذہب میں موجود نہیں ہوگا بلکہ اسے حل کرنے کے لیے مختلف مذاہب کی آراء کے مابین تلفیق کرنی پڑے گی۔ اس کی مثال مجلہ الاحکام العدلیہ ہے کہ حنفی قانون کو بنیاد بنانے کے باوجود بھی بوقت ضرورت مجلے میں تلفیق سے کام لیا گیا۔ اگرچہ تلفیق کے جواز کے سلسلے میں علما مختلف الآراء ہیں لیکن اس مسئلے میں معتدل راستہ یہ ہے کہ اول تو تلفیق سے احتراز کیا جائے تاکہ اس قانون کو قبول عام حاصل ہو سکے۔ لیکن اگر کبھی تلفیق کی اشد ضرورت پیش آجائے تو اس امر کا خیال رکھا جائے کہ اس تلفیق کے نتیجے میں شریعت کے اصول و قواعد متاثر نہ ہوں، فرائض اور واجبات معطل نہ ہوں، حرام حلال یا حلال حرام نہ ہو جائے، قاضی کا فیصلہ بے اثر نہ ہو جائے، حقوق اللہ و حقوق العباد متاثر نہ ہوں، اور اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے۔

۷۔ تعدد حق، انتقال مذہب اور آسان قانون سازی:

جو شورائی کمیٹیاں آسان قانونی سازی کے لیے ترتیب دی جائیں، ان کے ممبران کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ تعدد حق اور انتقال مذہب کو درست تسلیم کرتے ہوں۔ چونکہ اس قانون سازی میں متعدد مرتبہ ایسی صورت حال پیش آئے گی کہ کسی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کی رائے کو اختیار کرنا ہو گا یا تلفیق سے کام لینا پڑے گا، تو وہ فقہا جو وحدت حق پر یقین رکھتے ہیں اور خروج عن المذہب کو ناجائز گردانتے ہیں، ان کی شمولیت اس قانون سازی کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔ چنانچہ یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ صرف انہیں فقہا کو موقع دیا جائے جو تعدد حق، خروج عن المذہب اور تلفیق پر عمل کے قائل ہیں۔

الغرض مندرجہ بالا شرائط و تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا آسان فقہی قانون مرتب کیا جا سکتا ہے جو دورِ جدید میں نہ صرف امت مسلمہ کے مسائل کا آسان حل فراہم کرے، بلکہ انہیں نظم و ضبط کا پابند رکھتے ہوئے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کرے۔

حوالہ جات

---

1 تلفیق سے مراد ہے کہ کسی ایک مسئلے میں دو یا دو سے زائد ائمہ کی آراء کو جمع کرنا۔ مقالہ نگار

2 محب اللہ بھاری، عبد الشکور، مسلم الثبوت۔ مصر: مطبہ الحسینیہ، ۱۳۲۶ھ۔ ص ۵۔

3 القرآن، البقرہ ۲: ۱۸۵

4 القرآن، الحج ۲۲: ۷۸
5 القرآن التغابن ۶۴: ۱۶
6 احمد ابن حنبل۔ مسند۔ قاہرہ: دار الفکر العربی، ۱۹۹۹۔ مسند المکثرین من الصحابہ، مسند أبی ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث ۱۰۲۵۵۔
7 مسلم بن حجاج، ابو الحسین۔ صحیح مسلم۔ طبع اول، ریاض: دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۸۔ کتاب الفضائل، باب مباعدتہ ﷺ للاثام واختیارہ من المباح اسھلہ وانتقامہ، حدیث ۲۳۲۷۔
8 القرآن، النساء ۴: ۵۹
9 ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی۔ الجامع المختصر۔ ریاض: دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۹ء۔ کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب عمار بن یاسر وکنیتہ ابو الیقظان رضی اللہ عنہ، حدیث ۳۷۹۹۔
10 غزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ المستصفی۔ قاہرہ: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۶۹۔
11 ابن عبد البر، ابو عمر یوسف۔ جامع بیان العلم وفضلہ۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۴ء۔ ج ۲، ص ۹۲۷۔
12 ان کے مطابق صرف وہی قول درست ہے جس کی دلیل سب سے قوی ہے۔ مقالہ نگار
13 زحیلی، وھبہ۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ طبع چہارم، دمشق: دار الفکر، ۲۰۱۰ء۔ ج ا ص ۸۳۔
14 القرآن، الجاثیہ ۴۵: ۲۳
15 ترمذی، الجامع المختصر۔ کتاب الصوم عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی کراھیۃ الصوم فی السفر، حدیث ۷۱۰۔
16 ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن محمد۔ الاشباہ والنظائر۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۹ء۔ ص ۶۴۔
17 امیر بادشاہ، محمد امین۔ تیسیر التحریر۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۳ء۔ ج ۴ ص ۲۵۴۔
18 ترمذی، الجامع المختصر۔ کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب عمار بن یاسر وکنیتہ ابو الیقظان رضی اللہ عنہ، حدیث ۳۷۹۹۔
19 مسلم بن حجاج، صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل، باب مباعدتہ صلی اللہ علیہ وسلم للاثام واختیارہ من المباح اسھلہ وانتقامہ، حدیث ۲۳۲۷۔
20 امیر بادشاہ، تیسیر التحریر۔ ج ۴ ص ۲۵۵۔
21 ابن علیش، محمد بن احمد بن محمد۔ فتح العلی المالک فی الفتوی عل مذھب الامام مالک۔ بیروت: دار المعرفۃ، ت۔ ن۔ ج ا ص ۶۷۔
22 اس نئے قانون کو مجلہ الاحکام العدلیہ کہا جاتا ہے۔ مقالہ نگار
23 سلطنت عثمانیہ۔ مجلہ الاحکام العدلیہ۔ کراچی: کارخانہ تجارت کتب خانہ۔ ت۔ ن۔ ص ۲۳۔
24 محمصانی، صبحی۔ فلسفہ التشریع فی الاسلام۔ طبع اول، بیروت: مکتبہ الکشاف، ۱۹۴۶ء۔ ص ۷۳۔
25 سلطنت عثمانیہ۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ۔ ص ۳۴۸۔
26 قرافی، ابو العباس احمد بن ادریس۔ شرح تنقیح الفصول۔ طبع اول، قاہرہ: شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدہ، ۱۹۷۳ء۔ ص ۳۶۳۔
27 القرآن، المؤمنون ۲۳: ۷۱
28 القرآن، النساء ۴: ۵۹
29 ابن علیش، فتح العلی المالک فی الفتوی عل مذھب الامام مالک۔ ج ا ص ۶۹۔

References

1. Talfiq means to collect the opinions of two or more Imams on a single issue. Authors
2. Muhibullah Bhari, Abdul Shukoor, Muslim Al-Thaboot. Egypt: Al-Hussainiya Press, 1326 AH. P. 5.
3. Al-Quran, Al-Baqarah 185:2
4. Al-Quran, Al-Hajj 78:22
5. Al-Quran, Al-Taghabun 16:64
6. Ahmad Ibn Hanbal. Musnad. Cairo: Dar Al-Fikr Al-Arabi, 1999. Musnad Al-Mukjareen Min Sahabah, Musnad Abu Hurairah (may Allah be pleased with him), Hadith 10255.
7. Muslim Ibn Hajjaj, Abu Al-Hussain. Sahih Muslim. First edition, Riyadh: Dar Al-Islam For Publishing and Enlightenment, 1998. Kitab Al-Fadail, Chapter on the avoidance of sin and the choice of permissible things as easy and retaliatory, Hadith 2327.
8. Al-Quran, An-Nisa 59:4
9. Tirmidhi, Abu Isa Muhammad Ibn Isa. Al-Jami' Al-Mukhtasar. Riyadh: Dar al-Islam for Publishing and Tawzi', 1999. Kitab al-Manaqib an Rasulullah ﷺ, Bab al-Manaqib Ammar bin Yasir and his nickname Abu al-Yaqzan, 3799.
10. Ghazali, Abu Hamid Muhammad bin Muhammad. Al-Mustasfi. Cairo: Dar al-Kutb al-Ilmiyah, 1993. P. 369.
11. Ibn Abdul-Barr, Abu Omar Yusuf. Jami' Bayan al-Ilm wa Fazla. Beirut: Dar al-Kutb al-Ilmiyah, 1994. Vol. 2, p. 927.
12. According to him, only that statement is correct for which the evidence is the strongest. Essayist
13. Zuhaili, Wahba. Al-Fiqh al-Islami wa'dalta. 4th edition, Damascus: Dar al-Fikr, 2010. Vol. 1, p. 83.
14. Quran, Al-Jathiyah 23:45
15. Tirmidhi, Al-Jami' al-Mukhtasar. Kitab al-Sawm an Rasulullah ﷺ, Bab ma ja' fi karahiyah al-Sawm fi travel, Hadith 710.
16. Ibn Najim, Zayn al-Abidin bin Ibrahim bin Muhammad. Al-Ishbah and Al-Nada'ir. First edition, Beirut: Dar Al-Kutb Al-Ilmiyah, 1999. p. 64.
17. Amir Badshah, Muhammad Amin. Taysir al-Tahrir. Beirut: Dar Al-Kutb Al-Ilmiyah, 1983. vol. 4 p. 254.
18. Tirmidhi, Al-Jami' Al-Mukhtasar. Kitab Al-Manaqib An Rasulullah ﷺ, Bab Al-Manaqib Ammar bin Yasir and the nickname Abu Al-Yaqzan (may Allah be pleased with him), Hadith 3799.
19. Muslim bin Hajjaj, Sahih Muslim. Kitab Al-Fada'il, Bab Al-Maba'adatah (may Allah be pleased with him) for the sake of Allah and choosing between permissible things as a means of escape and retaliation, Hadith 2327.
20. Amir Badshah, Taysir al-Tahrir. vol. 4 p. 255.
21. Ibn Alish, Muhammad bin Ahmad bin Muhammad. Fath al-Ali al-Malik fi al-Fatwa al-Madhib al-Imam Malik. Beirut: Dar Al-Ma'rifah, T.N. vol. 1 p. 67.
22. This new law is called Majlah Al-Ahkam al-Adliyyah. Article writer
23. Ottoman Empire. Maghla Al-Ahkam Al-Adliyyah. Karachi: Karhan Tijarat Library. T.N. p. 23.
24. Mahmsani, Subhi. Philosophy of Law in Islam. First edition, Beirut: Maktaba Al-Kashaf, 1946. p. 73.
25. Ottoman Empire. Maghla Al-Ahkam Al-Adliyyah. p. 348.
26. Qarafi, Abu al-Abbas Ahmad bin Idris. Explanation of the Analysis of the Forms. First edition, Cairo: Shirkat al-Tabba'at al-Finiyah al-Mutahida, 1973. p. 363.
27. Al-Quran, Al-Mu'minun 71:23
28. Al-Quran, An-Nisa 59:4
29. Ibn Alish, Fath al-Ali al-Malik fi al-Fatwa al-Madhib al-Imam Malik. Vol. 1, p. 69.